بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥

*

نظرات

"فکرونظر" کا یہ شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ایسے موقع پر پہنچ رہا ہے کہ ایک طرف تو ماہ رمضان المبارک کی مثالی تربیت سے فراغت کی خوشی میں آپ عید منا چکے ہیں جس پر ہم آپ کی خدمت میں مبارک باد پیش کرتے ہیں اور دُعا کرتے ہیں کہ یہ عید تمام عالمِ اسلامی کے لئے کامیابی وسربلندی کا پیغام لائے اور ساری انسانیت کے لئے امن وسلامتی کی خوش خبری بن جائے۔ دوسری طرف ہم انتخابات کے امتحانات سے گزر رہے ہیں اور اپنے لئے ایسے نمائندے اسمبلی میں بھیج رہے ہیں جو ہمارے ملک کے لئے وہ دستور مرتب کریں گے جو ہمارے دینی و دنیوی تقاضوں کے مطابق ان بنیادی اور اساسی اصولوں کو متعین کرے گا جن پر ہمارے ملک و ملّت کی فلاح کا دارومدار ہے۔ خدا کرے ہم اس گراں بار امانت کو ادا کرنے میں اپنا حق ادا کرسکیں۔

بیعت اور شوریٰ کی اصطلاحیں آج انتخاب، ووٹ اور اسمبلی کی صورتیں اختیار کر گئی ہیں، ملک کا ہر باشندہ بذاتِ خود ملکی انتظام میں حصّہ نہیں لے سکتا لیکن یہ بتانے کے لئے کہ ملک کے ہر باشندہ کا ملکی انتظام وحکومت میں حصّہ ہے، ہر شخص کو اپنا نمائندہ چننے کا موقع ملتا ہے۔ علماءِ دین اور سیاسی قائدین کا فرض ہے کہ وہ عوام کا شعور بلند کرتے رہیں اور انھیں ووٹ کے صحیح استعمال کی تلقین کرتے رہیں تاکہ عوام کے صحیح نمائندے کامیاب ہوسکیں۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے باوجود دنیوی امور میں مشورہ کرتے رہنے کا حکم دیا تھا ($\frac{3}{159}$) قرآن مجید کی چھیالیسویں سورت کا نام ہی "الشوریٰ" ہے۔ اس کی آیت نمبر ۳۸ میں "اقاموا الصلوٰة وامرھم شوریٰ بینھم ومما رزقناھم ینفقون" میں نماز اور زکوٰة کے درمیان شوریٰ کا ذکر ہوا ہے جس سے اس کی دینی اہمیت واضح ہوتی ہے اختلافی مسائل حل کرنے اور اپنے معاملات طے کرنے کے لئے یہ نہایت کارگر نسخہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفاءِ راشدین نے بھی شوریٰ کے حکم پر عمل کرکے اُمت کو متحد طاقتور بنا کر مسلسل ترقی کی راہ پر آگے بڑھایا۔

شوریٰ میں روا داری، صبر و ضبط، آپس میں ایک دوسرے کے نقطہ نظر کو سمجھنے کی کوشش، ایک دوسرے کو اپنے خیالات کے اظہار کا موقع دینا، متعلقہ موضوع پر ماہرین کی رائے معلوم کرنا، اکثریت کی رائے کا احترام کرنا، ہر ایک کی بات سن کر اس میں سے بہتر و مفید تر کو قبول کرنا ضروری عناصر ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ سے مختلف معاملات میں مشورہ لیتے تھے اور اپنی تجویز پر دوسروں کے مشورہ کو ترجیح بھی دیتے تھے۔

ہماری قومی اسمبلی کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شوریٰ میں اسوۂ حسنہ ہے آپؐ مجلس شوریٰ میں ہمیشہ امت کی وحدت اور ملکی سالمیت کو ملحوظ رکھتے، جب بھی کسی قسم کے نسلی یا قبائلی یا علاقائی تعصب کو ہوا دی جاتی آپؐ اسے جاہلیت کا عمل اور اسلام لانے کے بعد کفر سے تعبیر کرتے۔ آپؐ مسلمانوں کو ہمیشہ یہی تعلیم دیتے کہ تم ایک بدن کے اعضاء کی طرح زندہ رہنے کے لئے، آپس میں ایک دوسرے سے تعاون کرو، ایک دوسرے کے مونس و غمگسار بنو، بالکل اسی طرح جیسے بدن کے ایک حصے کو تکلیف پہنچنے سے سارا بدن بے قرار و بیمار ہو جاتا ہے۔

آپؐ فرماتے تھے آپس میں ایک دوسرے کے خلاف اپنے دلوں میں نفرت و بغض نہ رکھو، ایک دوسرے کی کامیابی پر جلتے نہ رہو، حسد نہ کرو، ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لئے بڑھ چڑھ کر بولیاں نہ دو، ایک دوسرے کی جڑیں نہ کاٹو نہ دشمنی کی غرض سے باہم اختلاف کرو، اور اے اللہ کے بندو باہم بھائی بھائی بن جاؤ۔

شوریٰ کے ذریعہ اسلام نے مطلق العنانی، خود رائی، انانیت، آمریت، قانون سازی میں اجارہ داری، انتظامی امور اور دیگر تصرفات میں شخصی بالا دستی کا استیصال کیا ہے، اور ہر صاحب رائے، ماہر فن اور قابل فرد کو اپنے جوہر دکھانے اور اپنی مہارت سے عوام کو فائدہ پہنچانے کا موقع بخشتا ہے۔ دستور سازی یا مفاد عامہ کی وہ کونسی گھاٹی ہے جسے ہم اسلامی روح شوریٰ سے سرشار ہونے کے بعد طے نہیں کر سکتے۔

شوریٰ کی اس اسلامی روح کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم قومی اسمبلی کے ان کامیاب ممبروں سے جنہیں عوام کا اعتماد حاصل ہوا ہے، درخواست کریں گے کہ وہ اسلام اور ملک و قوم کے مشترکہ مفادات کی خاطر اپنے ذاتی مفاد یا پارٹی کے امتیاز کو موخر کر کے سب سے پہلے ہمیں وہ اسلامی

[redacted]

دستور دیں جس پر ساری قوم کی عظمت و وقار کا انحصار ہے جس کے لئے قوم نے آپ کو اسمبلی میں بھیجا ہے اور جس کے بغیر خود آپ کی ممبری کی بقاء بھی ممکن نہیں۔ آپ قوم کے منتخب افراد اور قوم کے مرکز نگاہ ہیں۔ آپ کو قومی مطالبات اور اس کی تمناؤں اور آرزوں کا بخوبی علم ہے۔ قوم انھیں پورا کرانے اور انھیں برلانے کے لئے نہایت بے چینی سے آپ کے عملی اقدام کی منتظر ہے، سب جانتے ہیں کہ انتخابات پر اس غریب قوم کی بے تحاشا دولت صرف ہوئی ہے اور وہ قطعاً اس رقم کو صرف آتش بازی میں اڑلنے کی متحمل نہیں ہو سکتی۔

یہ امر انتہائی حوصلہ افزاء ہے کہ ہماری سیاسی جماعتوں نے بیشتر ملکی و ملّی امور میں ترقی پسندانہ رویّہ کا اظہار کیا ہے۔ ان جماعتوں کے منشوروں سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی ہے کہ ملک کے بنیادی مسائل کا حل سب کو عزیز ہے اور ان میں سے اکثر مسائل کے حل میں باہمی اتفاق کا عنصر غالب ہے۔ مثلاً ملکی دستور کی بنیاد قرآن و سنّت پر رکھنا، تحدید ملکیت زمین، بڑی بڑی صنعتوں، بنکوں، انشورنس کمپنیوں اور بنیادی ذرائع پیداوار کو حکومت کی نگرانی میں کرنا، ملکی نصابِ تعلیم کو ایسے سانچہ میں ڈھالنا جس سے وہ ہمارے دینی دنیوی تقاضوں کو باحسن وجوہ پورا کر سکے اور اس میں موجودہ ثنویت و انتشار باقی نہ رہے۔ ان اہم مسائل میں ترقی پسندانہ رویّہ اختیار کرکے ہماری سیاسی جماعتوں نے اس بات کا ثبوت فراہم کر دیا ہے کہ وہ جدید تقاضوں سے آگاہ ہیں، اسی حکیمانہ بصیرت سے ہم بجا طور پر یہ توقع کر سکتے ہیں کہ وہ بقیہ اہم مسائل کے حل میں بھی اسی وسیع المشربی کو ملحوظ رکھیں گے اور بعض اختلافی مسائل کو سلجھانے میں اسلامی تعلیمات اور زمانے کے بدلتے ہوئے مقتضیات میں ہم آہنگی پیدا کرکے قوم کی بے چینی اور انتشار کا مداوا کریں گے۔

دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت کی حیثیت سے یہ ہمارا فرض تھا کہ ہم اپنے اندرونی معاملات —— دستور، قانون سازی، مروجہ عدالتی نظام کو اسلامی سانچہ میں ڈھالنا — کو قرآن و سنت کی روشنی میں طے کرنے کے بعد عالم اسلامی کے لئے اسوہ بنتے، لیکن افسوس کہ عالمِ اسلام کے لئے نمونہ بننا تو کجا ہم اب تک خود اپنے ان مبادیات کو بھی طے نہ کر سکے جن کے لئے ہم نے یہ ملک بنایا تھا اور جن پر ہماری فلاح و بقا کا انحصار ہے۔ اس ربع صدی میں ایک مرتبہ اور موقع مل رہا ہے کہ ہم اپنے اختلافی مسائل کو شوریٰ کے ذریعہ افہام و تف

سے حل کریں اور قوم کو ایسا آئین دیں جو اس کے لئے ترقی وکمال کی راہ کھول دے۔ ہمیں امید ہے کہ قوم کے نمائندے اس سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں گے۔

ابھی پہلے سیلاب کی تباہ کاری کا غم باقی تھا کہ مشرقی پاکستان سے پھر ایک نئے، عدیم المثال ہولناک سیلاب وطوفان کے ذریعہ قیامت خیز تباہی کی خبر ملی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس قسم کے نقصانات کی تین تاویلیں کی جاتی ہیں:

۱۔ یہ ایک شدنی امر اور تقدیر الٰہی ہے، اس میں ہمارے اختیار اور ہماری نیک و بدعملی کا کچھ حصّہ نہیں، نہ انسانی طاقت اسے روک سکتی ہے لہذا قضائے الٰہی پر راضی رہ کر صبر و شکر اختیار کرنا چاہیئے۔

۲۔ یہ تباہی ہماری جہالت وغفلت کی پیداوار ہے، ہم اپنی خداداد صلاحیتوں سے پورا پورا کام لے کر اس سے بچ سکتے ہیں یا کم ازکم پیش بندیوں کے ذریعہ اس کی شدّت میں تخفیف کر سکتے ہیں لہذا اپنی تمام امکانی قوتوں سے کام لے کر ہمیں اس قسم کی تباہ کاریوں سے نجات حاصل کر لینا چاہیئے اور جو لوگ اس طرح غفلت وجہالت کا مرتکب ہو کر قوم کی مشکلات میں اضافہ کر رہے ہیں ان سے باز پُرس کی جائے۔

۳۔ ہم نے اللہ کو بھلا دیا ہے اس کے احکام پس پشت ڈال دیئے ہیں، شہوات و تعیشات میں منہمک ہو چکے ہیں، بار بار کے امتحانات اور آزمائشیں ہمیں عبرت حاصل کرنے پر آمادہ نہیں کرتیں۔ سال میں ایک دو بار تو ضرور ہم ایسے حوادث میں مبتلا ہوتے ہیں لیکن پھر بھی اپنے اعمال درست نہیں کرتے لہذا یہ عذاب اور شدید صورت اختیار کرتے جائیں گے اللہ کے اس عذاب کو دُور کرنے کے لئے اور کچھ ہو یا نہ ہو ہمیں اپنی بے راہ روی اور حدود فراموشی سے تائب ہونا پڑے گا۔

ہماری نظر میں ان تینوں تاویلات میں ایک قدر مشترک ہے اور وہ ہے اللہ کے وجود اور اس پر ایمان کے اعتراف کے ساتھ اس کی بخشی ہوئی صلاحیتوں سے پورا پورا فائدہ اٹھانا اس کے احکام کی پابندی کرنا اور اس طرح انسانوں کے لئے نفع بخش چیزوں سے امکانی فائدہ اٹھانا اور مضر اشیاء سے حتی الوسع باز رہنا۔ اس اصول پر کاربند رہنے سے ہم آنے والی مشکلات کا زیادہ سے زیادہ مقابلہ اور پیش آمدہ مصائب کا پورا پورا ازالہ کر سکیں گے۔ (باقی ص ۲۱۹ پر)

[redacted]